ان الفضل بید اللہ یؤتیہ من یشاء ۔ عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً

غلام احمد قادیانی

نمبر ۱۳۵ رجسٹرڈ ایل

تار کا پتہ الفضل قادیان بٹالہ

THE ALFAZL
QADIAN

ایڈیٹر غلام نبی

قیمت سالانہ پیشگی ... ششماہی للعہ سہ ماہی عاہر

فی پرچہ تین پیسے

اخبار ہفتہ میں تین بار

الفضل قادیان

جماعت احمدیہ کا مسلمہ آرگن جسے (۱۹۱۳ء میں) حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح ثانی نے اپنی ادارت میں جاری فرمایا

نمبر ۱۴۱ مورخہ ۲۳ جون ۱۹۲۵ء یوم سہ شنبہ مطابق پنجم ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ جلد ۱۲

مدینۃ المسیح

حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ کو ۱۹ جون بروز جمعہ سر درد کا سخت دورہ تھا۔ لیکن باوجود اس کے حضور نے خطبہ جمعہ خود پڑھا جس سے تکلیف اور بڑھ گئی اور حضور عصر کی نماز نہ پڑھا سکے۔ مگر آج (۲۰ جون) خدا کے فضل سے آرام ہے ۔

حضرت میاں بشیر احمد صاحب تبدیلی آب و ہوا کے لئے منصوری تشریف لے گئے ہیں۔

جناب میر قاسم علی صاحب اور جناب شیخ فضل حسین صاحب غیر احمدی اصحاب کی درخواست پر دوسوہا بھیجے گئے جہاں آریوں کے متعلق لیکچر ہونگے ۔

میاں خدا بخش صاحب سکنہ چندر کے منگولے حال مہاجر ۱۸ جون فوت ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

جناب حافظ روشن علی صاحب واپس تشریف لے آئے ہیں ۔

چندہ خاص اور حاسدین جماعت احمدیہ
اعتراض کرنیوالے اپنے گریبان میں منہ ڈالیں
جماعت احمدیہ کیلئے دوہرا اجر کا موقعہ

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنی غریب اور قلیل جماعت کو مقررہ ماہوار چندوں کے علاوہ تین ماہ کے اندر ایک لاکھ روپیہ چندہ خاص جمع کرنے کا ارشاد فرمایا تھا۔ چونکہ اس ارشاد کو جماعت تک پہنچانے اور پھر سب احمدیوں کو آگاہ کرنے میں کچھ عرصہ لگ گیا۔ اس لئے ایک تو دور دراز کے احمدیوں کی درخواست پر جنہیں اس تحریک کا علم ہونے کے بعد تین ماہ کے عرصہ سے کم مدت ملی۔ دوسرے زمیندار اصحاب کی التجا پر جو پوجہ فصل تیار نہ ہونے کے پہلے کافی حصہ نہ لے سکے۔ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے میعاد ۳۰ جون تک مقرر فرما دی۔

اس پر اخبار "ریاست" نے جو پہلے بھی چندہ خاص کے خلاف دروغ بیانی اور بے ہودہ سرائی کرکے اپنے بے جا بغض اور حسد کا ثبوت دے چکا۔ اور جماعت احمدیہ کے خلاف خواہ مخواہ نیش زنی کرتا رہتا ہے۔ اپنے ۱۸ جون کے پرچہ میں امام جماعت احمدیہ اور حضور کے خدام کے متعلق نہایت غیر مہذب الفاظ استعمال کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ اس نے جو یہ دعویٰ کیا تھا کہ "ایک لاکھ کے چندہ کی تحریک کا جواب خاطر خواہ نہیں مل رہا"۔ اس کے متعلق "نتائج نے بتا دیا ہے۔ کہ ہماری اطلاع صحیح تھی۔ میعاد مقررہ کے اندر مقررہ رقم جمع نہ ہوسکی"۔

"ریاست" کو معلوم ہونا چاہیئے۔ میعاد میں اضافہ اس لئے کیا گیا ہے۔ کہ جن احمدی اصحاب کو اپنی ایک ماہ کی آمدنی اس تحریک میں دینے کے لئے پورے تین ماہ کا وقت بوجہ مرکز سے دور ہونے یا اس عرصہ میں کوئی آمدنی نہ ہونے کے نہیں مل سکا انہیں بھی مل جائے۔ لیکن اگر یہ بھی نہیں۔ چار ماہ میں بھی جماعت احمدیہ جو غرباء کی جماعت اور قلیل جماعت ہے۔

ماہواری مقررہ چندوں کے علاوہ ایک لاکھ روپیہ جمع کر دے۔ تو اس پر ایک ایسے اخبار کو اعتراض کرنے کا کیا حق ہو سکتا ہے جس کے ایڈیٹر سید حبیب صاحب ابھی دونوں ساڑھے تیرہ سو روپیہ کی قلیل سی رقم کے لئے لاکھوں مسلمانوں کے آگے نہ صرف متعدد بار اخبار کے کالموں میں اپیلیں شائع کر چکے۔ بلکہ علیحدہ چٹھیوں کے ذریعہ بھی ناک رگڑ چکے۔ منت وسماجت کر چکے حتیٰ کہ کئی طرح رو پیٹ چکے ہیں۔ مگر یہ رقم پوری نہیں ہو سکی۔ کیا انہیں ابھی وہ چٹھی یاد نہیں۔ جس میں انہوں نے اپنے قلم اور اپنے دستخط سے یہ فقرہ لکھ کر ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلایا۔ کہ "مجھے آپ سے خاص امداد کی توقع ہے۔ اور اگر "مجھے امید ہے۔ کہ آپ اس کار خیر میں میری مدد کریں گے۔ خود بھی کچھ عنایت فرمادیں گے۔ اور اپنے احباب سے بھی چندہ جمع کر کے بھیجیں گے"

مگر اتنی سی رقم بھی پوری نہ ہو سکی جس شخص کی معمولی سی رقم کے لئے ان اپیلوں کا جو کروڑوں انسانوں کے آگے کی گئیں۔ یہ نتیجہ نکلا ہو۔ اسے اور اس کے اخبار کو چند لاکھ کی جماعت احمدیہ پر یہ اعتراض کرتے ہوئے شرم کرنی چاہیئے۔ کہ وہ تین ماہ میں ایک لاکھ روپیہ جمع نہیں کر سکی۔ حالانکہ احمدیہ جماعت کے ایک ایک فرد نے جو ہمیشہ خدا کی راہ میں مال خرچ کرتے رہتے ہیں۔ اسکی اپنی مطلوبہ رقم سے بہت زیادہ چندہ دیا ہے۔ جناب سید حبیب صاحب اگر شرافت و انسانیت سے کچھ حصہ رکھتے ہیں۔ تو انہیں پہلے اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھ لینا چاہیئے۔ کہ وہ کس برتے پر جماعت احمدیہ پر اعتراض کر رہے ہیں۔ جماعت احمدیہ کی سی مخلص اور خدا کی راہ میں بے دریغ خرچ کرنے والی پہلے کوئی اور جماعت تو دکھلائیں اور پھر اعتراض کریں۔

اس موقع پر ہم جناب سید حبیب صاحب سے یہ دریافت کئے بغیر بھی نہیں رہ سکتے۔ کہ جناب کے اس اعلان کی تو ابھی سیاہی بھی خشک نہیں ہوئی۔ کہ "میرا مسلک ہی صلح کل ہے۔ اور میں مسلمانوں کے کسی گروہ یا فرقہ سے تا بحد امکان خود کشیدہ تعلقات پیدا کرنا نہیں چاہتا" مگر آپکے اخبار نے امام جماعت احمدیہ اور جماعت احمدیہ کے متعلق مذکورہ بالا مضمون میں جو دریدہ دہنی کی ہے۔ وہ بتا رہی ہے۔ کہ آپ کو اپنا "صلح کل مسلک" صرف حزب الاحناف کے مقابلہ میں یاد آتا ہے۔ ورنہ آپ کی فطرت ان لوگوں سے بہتر نہیں۔ جو اپنا مسلک آپ کی طرح صلح کل نہیں بتاتے۔

آپکے اخبار نے مطالبہ کیا ہے۔ کہ ہم بتائیں "کتنا روپیہ اب تک موصول ہوا ہے۔ کتنے وعدے ہیں اور کتنا باقی ہے"

آپ اطمینان رکھیئے۔ چند دن کے بعد یہ سب کچھ بتلا دیا جائے گا۔ فی الحال ہم مخلصین جماعت احمدیہ کو ان چند ایام میں اپنے اخلاص کے اظہار کا موقع دے رہے ہیں۔

اخیر میں ہم صرف چند الفاظ اپنے احباب سے کہنا چاہتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ ۳۰ جون میں صرف چند دن باقی رہ گئے ہیں۔ اور آپ کے دشمن اور حاسد ابھی سے کہہ رہے ہیں۔ کہ جو کچھ ان کا خیال تھا۔ وہی درست ہوگا۔ یعنی جماعت احمدیہ ایک لاکھ روپیہ اس عرصہ میں جمع نہ کر سکے گی۔ اس خیال کو غلط ثابت کرنا اور ایسے طریق سے غلط ثابت کرنا کہ دشمن حیران و ششدر رہ جائیں۔ آپ لوگوں کا کام ہے۔ جس کے لئے فرصت بہت قلیل باقی رہ گئی ہے۔ پس ان آخری ایام کو غنیمت سمجھیئے۔ اور دشمنوں کو ان کی خواہشوں میں ناکام و نامراد کر دیجیئے۔

اگر مخالفین اس قسم کی باتیں نہ کرتے۔ تو بھی ہمارا فرض تھا۔ کہ ہمارے امام نے ہم سے جو مطالبہ کیا تھا۔ اسے پورا کر کے خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرتے۔ مگر اب تو ہمارے لئے دوہرا اجر حاصل کرنے کا موقع ہے۔ ایک تو اپنے امام کے ارشاد کی تعمیل کا اجر۔ اور دوسرا مخالفین اور دشمنان حق کی تمنا اور خواہش کو کچل دینے کا اجر۔ پس اس بہترین موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیجیئے۔

مسٹر سی آر داس کی وفات اور جماعت احمدیہ کی طرف سے تعزیت کا پیغام

گذشتہ پرچہ میں بنگال کے مشہور و معروف سیاسی لیڈر مسٹر سی۔ آر۔ داس کی اچانک وفات کی مختصر خبر درج کی گئی تھی اس کے متعلق جو مزید حالات معلوم ہوئے۔ وہ یہ ہیں۔ کہ ۱۶ر جون کو شام کے ساڑھے چار بجے کے قریب انہوں نے حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے دارجیلنگ میں وفات پائی۔ اس کے متعلق سب سے پہلا تار مسٹر ایس۔ سی۔ رائے داس کو جو مسٹر سی آر۔ داس کے داماد ہیں کلکتہ پہنچا۔ یہ خبر متوفی کے اعزا اور احباب کے لئے بالکل غیر متوقع تھی۔ جو بجلی کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی۔ ۱۸ر جون کو نعش کلکتہ کے سیالدہ سٹیشن پر پہنچی۔ جسے گاڑی سے گاندھی جی

مولوی ابوالکلام صاحب۔ مسٹر پی۔ سی۔ رائے اور متوفی کے سب سے بڑے لڑکے نے اتارا۔ کلکتہ کی تمام دوکانیں سوگ میں شام تک بند کر دی گئیں۔ نعش کو ایک سجی ہوئی ارتھی میں رکھا گیا۔ صرف چہرہ ننگا تھا۔ باقی تمام جسم پھولوں کے ہاروں میں لپٹا ہوا تھا۔ چار لاکھ کے قریب مجمع کا اندازہ کیا گیا۔ ماتمی جلوس کے ہمراہ کانگریس کمیٹی بنگال۔ پراونشل خلافت کمیٹی اور دیگر جماعتوں کے مرثیہ خواں تھے۔ خلافت کے رضاکار نقارے بجاتے ہوئے جا رہے تھے۔ دریائے گنگا کے کنارے صندل کی لکڑیوں کی چتا تیار کی گئی جس میں ان کی نعش کو سپرد آتش کر دیا گیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ اور جماعت احمدیہ کی طرف سے حسب ذیل تار جناب ناظر صاحب امور عامہ قادیان نے اہلیہ صاحبہ مسٹر سی۔ آر۔ داس کو ارسال کیا ہے۔

"میں امام جماعت احمدیہ (ایدہ اللہ تعالیٰ) اور جماعت احمدیہ کی طرف سے آپ کی خدمت میں مسٹر سی۔ آر۔ داس کی افسوسناک موت پر نہایت درجہ غم اور افسوس کا اظہار کرتا ہوں۔ براہ مہربانی ایسے غمناک حادثہ پر ہماری طرف سے گہری ہمدردی قبول فرمائیں۔ اگرچہ ہمیں پولٹیکل معاملات میں مسٹر سی۔ آر۔ داس کے ساتھ اتفاق نہ تھا۔ تاہم انہیں ہم ہندوستان کے صادق دوستوں میں سے سمجھتے رہے ہیں"

ریویو انگریزی کی اشاعت

احباب کرام! ریویو انگریزی ہر ماہ باقاعدہ لنڈن سے شائع ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ اس کے دلچسپ بنانے کی خاطر خواہ کوشش کی جا رہی ہے۔ چونکہ ہمارے رسالہ کی اشاعت کا بوجھ زیادہ تر جماعت کے سروں پر ہے۔ اس لئے ضروری ہے۔ کہ اس کی اشاعت کی طرف توجہ کی جاوے۔ اور ہر دوست اپنے حلقہ احباب میں جدید خریدار پیدا کریں۔ اور جن احباب کے ذمہ رسالہ کی قیمت ہے وہ وی۔ پی کا انتظار کئے بغیر روپیہ روانہ فرماویں۔

ماہ فروری ۱۹۲۵ء کا نمبر جن دوستوں کو نہیں ملا۔ ان کی اطلاع کے لئے عرض کیا جاتا ہے۔ کہ ولایت سے جو بنڈل آئے تھے۔ وہ کہیں راستہ میں گم ہو گئے ہیں ان کی تلاش کی جا رہی ہے۔

المشتہر مینجر ریویو انگریزی (قادیان)

اعلان نکاح علی محمد خان ساکن بزدار ضلع ڈیرہ غازیخان کا نکاح پچاس روپیہ حق مہر کے عوض عالم خاتون بنت محمد خان احمدی ساکن بستی بزدار

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الفضل
یوم سہ شنبہ - قادیان دار الامان - ۲۳ جون ۱۹۲۵ء

مسلمانان ہند کی التجائیں گورنمنٹ ہند سے
اب غیرت و حمیت کدھر گئی

احمدیوں کی کابل میں سنگساری پر تو مسلمانان ہند کے ایک حصہ اور تعلیم یافتہ طبقہ نے اظہار ناپسندیدگی کیا۔ اور اسے شریعت اسلامیہ کے قطعاً خلاف قرار دیا۔ لیکن ہماری طرف سے کابل کے اس وحشیانہ فعل پر دول یورپ کو جو توجہ دلائی گئی۔ اسکے خلاف اس گروہ کے بعض آدمیوں نے بھی ان لوگوں کی ہمنوائی اختیار کر لی۔ جو کابل کی اس خلاف انسانیت کارروائی کو اسلام کا خاص اور اہم حکم قرار دیتے تھے ان اصحاب میں سے خاص طور پر قابل ذکر مولوی شوکت علی صاحب ہیں۔ جنہوں نے اپنے اخبار "خلافت" میں حسب معمول نہایت تیز و تند لہجہ میں مضمون لکھا۔ اور یہاں تک کہدیا کہ اگر تمام احمدیوں کو کابل میں سنگسار کر دیا جائے۔ تو بھی ہم یہ برداشت نہیں کر سکتے۔ کہ حکومت کابل کی شکایت جو اسلامی حکومت ہے، غیر مسلم یعنی عیسائی حکومتوں کے پاس کی جائے۔ گویا انہیں یہ تو منظور تھا کہ حکومت کابل اسلامی احکام اور اسلامی شریعت کے صریح خلاف تمام کے تمام احمدیوں کو سنگسار کر دے۔ مگر یہ گوارا نہ تھا۔ کہ احمدی اس ظلم کے خلاف دنیا کو توجہ بھی دلا سکیں۔ کیونکہ حکومت کابل اسلامی حکومت کہلاتی ہے۔ اور باقی دنیا عیسائی حکومتوں کے ماتحت ہے۔

اسلام کو تمام دنیا میں بدنام اور ذلیل کرنیوالی "اسلامی حکومت" کے متعلق اسقدر جوش کا اظہار اس امر کا ثبوت تھا کہ اسلام کے مقابلہ میں مسلمان کہلانے والوں کی زیادہ پاسداری کی جا رہی ہے۔ انہیں یہ تو منظور ہے۔ کہ سلطنت کابل اسلام کو دنیا کے سامنے نہایت ہی بھیانک اور ڈراونی شکل و صورت میں پیش کرے۔ مگر یہ منظور نہیں کہ اسلام کو اس ظلم صریح سے بچانے کی کوئی تدبیر اختیار کی جائے۔

لیکن کس قدر تعجب اور حیرت کا مقام ہے۔ کہ وہی لوگ جو ہمیں اسلئے ہدف ملامت بنا رہے تھے۔ کہ ہم نے سلطنت کابل کے جور و ستم کی اطلاع دول یورپ اور اہل یورپ کو کیوں دی۔ اور ہمیں اس لئے بے غیرت اور بے حمیت ٹھہرا دیتے تھے کہ ہم نے ایک مسلمان کہلانے والی سلطنت کے اسلام کو برباد کرنے والے فعل کے خلاف اہل دنیا سے کیوں اپیل کی۔ وہی ایک معمولی سی بات کے لئے عیسائی حکومت اور اس عیسائی حکومت کی دہلیز وں پر ناک رگڑ رہے ہیں۔ اور ناصیہ فرسائی کر رہے ہیں جسے وہ طاغوتی حکومت کہتے اور اسلام کی سب سے بڑی دشمن سمجھتے ہیں۔ اور وہ بھی ایک مسلمان حکومت کے خلاف کارروائی کرنے کے لئے۔

امسال حج کے لئے بوجہ اس جنگ کے جو امیر ابن سعود اور شریف حسین کے درمیان ہو رہی ہے جب تکالیف اور مشکلات کا خدشہ پیدا ہوا۔ تو انہی باغیرت اور باحمیت مسلمانوں نے بار بار اور پے درپے گورنمنٹ ہند سے یہ التجائیں کیں۔ کہ وہ شریف حسین کی سرکوبی کر کے حاجیوں کے لئے رستہ صاف کرا دے۔ اور اب جبکہ یہ خدشہ واقعہ کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ شریف حسین کی طرف سے بندرگاہ رابغ پر گولہ باری ہو چکی ہے۔ ان کے لئے دن رات کا کام ہی یہ رہ گیا ہے۔ کہ گورنمنٹ برطانیہ سے شریف حسین کے خلاف جنگ کرنے کی التجائیں کرتے رہیں۔ چنانچہ جگہ جگہ جلسے منعقد کر کے اس مطلب کے ریزولیوشن پاس کئے جا رہے گورنمنٹ کو تاریں دیجا رہی اور اخبارات کے صفحات پر کئے جا رہے ہیں۔

ذیل میں انکی تحریروں سے چند اقتباس درج کئے جاتے ہیں:۔
سب سے اول مولوی شوکت علی صاحب نے گورنمنٹ سے یہ التجا کی ہے:۔

"حکومت ہند کو اپنی لاج رکھنی چاہیئے۔ اور اسے چاہیئے کہ اس نے امیر علی کے ہاتھ جو پرانا جنگی جہاز فروخت کیا تھا اسے بندرگاہ رابغ سے ہٹا لینے پر مجبور کرے۔ اور اس طرح بندرگاہ مذکور کو خالی کر دے"

یہ اور اسی قسم کی اور بہت سی خواستیں کرنے پر بھی جب انکی مطلب برآری نہ ہوئی۔ تو انہیں اپنے اضطراب کا اظہار "شملہ سوتا ہے کہ جاگتا ہے" کے عنوان سے اسطرح کرنا پڑا:-

"ہمالیہ پہاڑ کی چوٹیوں میں چھ ماہ ٹھنڈ اور آرام کی نیند کب حاجیوں کی فریاد سے متاثر ہوگی۔ آخر دیر کی بھی کوئی انتہا ہے۔ خدا کرے۔ کہ آج شام تک جہازوں کی روانگی کی خبر آجائے۔ اور یہ معلوم ہو۔ کہ برطانیہ کی قوت اور خاص کر بحری قوت اب بھی دنیا میں موجود ہے اور امیر علی کے مقابلہ میں کوئی حیثیت رکھتی ہے" (ہمدرد ۱۵ جون ۱۹۲۵ء)

جمعیۃ العلماء کے صدر مولوی کفایت اللہ صاحب نے بذریعہ تار وائسرائے ہند کی خدمت میں یہ گذارش کی ہے۔

"براہ کرم حکومت حاجیوں کو ساحل عرب پر اتار کر اپنی ذمہ داری کو پورا کرے" (زمیندار ۱۳ جون)

دار الحکومت دہلی میں جلسہ کر کے مولوی محمد علی صاحب نے جو تقریر کی اس میں فرمایا۔

"گورنمنٹ ہند کو ایسی کارروائی کرنا چاہیئے۔ کہ زائرین بحفاظت تمام ساحل حجاز پر اتارے جا سکیں" پھر فرمایا:۔

"مسلمانان ہند کو یہ استحقاق حاصل ہے۔ کہ وہ گورنمنٹ سے مطالبہ کریں۔ کہ وہ حاجیوں کے جہاز کی حفاظت کرے اور علی کو مجبور کرے کہ حجاج کو رابغ یا بقیہ دو بندرگاہوں میں سے کسی پر بحفاظت تمام اتر وائے" (ہمدرد ۱۰ جون)

اسی جلسہ میں یہ ریزولیوشن پاس کیا گیا۔

"برطانیہ کا فرض ہے۔ کہ وہ امیر علی کو اس فعل پر متنبہ کر دے اور حجاج کو بندرگاہ رابغ تک پہنچائے" (ہمدرد ۱۰ جون)

اخبار "زمیندار" نے ایک طول طویل مضمون اسی بارے میں لکھا اور اس قسم کی التجائیں تو بکثرت شائع کر رہا ہے۔ کہ

"مسلمان یہ توقع کرنے میں حق بجانب ہیں۔ کہ حکومت ہند شریف علی کے خلاف مؤثر کارروائی فوراً کرے" (زمیندار ۱۴ جون)

ہم نے یہ چند اقتباس درج کئے ہیں۔ اور وہ بھی صرف ان اصحاب کی تقریر و تحریر سے جو کابل میں احمدیوں کی سنگساری کے متعلق دول یورپ کو صرف اطلاع دینے پر سب سے زیادہ آپے سے باہر ہو گئے تھے۔ ورنہ آجکل مسلمانوں کے تمام تمام اخبارات اور سب چھوٹی بڑی انجمنیں، سارے کے سارے سیاسی لیڈر اور علماء کا اٹھتے بیٹھتے یہی ورد ہو گیا ہے۔ کہ گورنمنٹ برطانیہ شریف حسین کو سخت سے سخت سزا دیکر حاجیوں کو امیر ابن سعود کی حدود میں پہنچا دے۔

بلاشبہ ان لوگوں کی جان بچانے کی کوشش کرنا نہایت ضروری امر ہے جنہیں مسلمان لیڈروں اور مسلم اخبارات نے قربانی کا بکرا بنا کر ایسے خطرات کے ایام میں شرعی حکم کے صریح خلاف حج کے لئے روانہ کیا۔ لیکن سوال یہ ہے۔ کہ اب ان لوگوں کی غیرت اور حمیت کدھر گئی۔ جو شریف حسین کے مقابلہ میں گورنمنٹ برطانیہ سے امداد کی التجائیں کر رہے ہیں۔ کیا شریف حسین مسلمان نہیں کہلاتے۔ کیا وہ ایک مسلمان حاکم نہیں ہیں۔ پھر کیا گورنمنٹ برطانیہ عیسائی حکومت نہیں ہے۔ کیا اس سے امداد کی التجائیں کرنے والے اسے طاغوتی حکومت نہیں قرار دیتے

اگر یہ سب کچھ ہے۔ تو اب مسلمان کس منہ سے ایک اسلامی حکمران کے خلاف عیسائی حکومت سے امداد طلب کرتے ہیں۔ اور کیوں ایک مسلمان حکمران کو عیسائی حکومت کے ہاتھوں تباہ و برباد کرانے کی التجائیں کر رہے ہیں۔

بات یہ ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو ہم پر بے غیرتی کا الزام لگاتے تھے۔ ملزم ثابت کرنے کے یہ سامان کئے ہیں۔ اگر حکومت برطانیہ نے اس قضیہ میں دخل دے کر جہازوں کو ساحل حجاز تک پہنچا دیا۔ تو بھی مسلمانوں کے ماتھے سے یہ کلنک کا ٹیکہ کبھی دور نہ ہوگا۔ کہ انہوں نے ایک مسلمان حکمران کے مقابلہ میں عیسائی حکومت کی امداد حاصل کی۔ علاوہ ازیں اس خاص مذہبی مسئلہ میں سلطنت برطانیہ سے التجائیں کر کر کے مداخلت کرانے کی نظیر قائم کر لینے پر انہیں آئندہ بھی اس امر کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ کہ اگر گورنمنٹ ملک عرب کے معاملات میں مداخلت کرے تو اسے وہ بخوشی گوارا کر لیں گے۔

ویدک دہرم اور آریہ صاحبان

آریوں نے ہندو دہرم میں جسقدر کتر بیونت اور تغیر و تبدل کیا ہے۔ اس کا پتہ ان امور پر نظر کرنے سے لگ سکتا ہے۔ جو پہلے ہندو دہرم کے بنیادی اصول سمجھے جاتے تھے۔ مگر اب آریہ صاحبان انہیں بالکل ترک کر چکے ہیں۔ بالفاظ اخبار پرکاش (۲۸ جون) ویدک دہرم کے اہم اصول یہ تھے۔ کہ:۔

(۱) سمندر یاترا کرنا پاپ (۲) ودہوا وواہ کرنا ادہرم (۳) ملیچھوں (غیر ہندوؤں) کی شدھی کرنا ادھرم (۴) سادھوؤں اور برہمنوں کی عیب جوئی کرنا ادھرم (۵) شودروں کو وید منتر سنانا اتیاچار (۶) یادنی بھاشائیں (غیر ملکی زبانیں) پڑھنا جرم۔ (۷) پرانوں کے ورودھ (خلاف) سننا کفر (۸) دیوالی کے روز جوا کھیلنا (۹) مُردوں کے شرادھ کرنا لیش (دجائز) (۱۰) استریوں کو پاؤں کی جوتی سمجھنا سمجھیتا۔ (۱۱) پتھروں کو پوجنا دہرم (۱۲) آٹھ برس تک کنیا کا دواہ کرا دینا سورگ پراپتی کا سادہن۔"

لیکن اب ان سب باتوں کے خلاف کرنے کا نام دہرم رکھا جاتا ہے۔ کیوں اسلئے نہیں۔ کہ یہ باتیں ہندو دہرم کے اصول نہیں۔ بلکہ اس لئے کہ ان کی موجودگی میں کوئی سمجھدار ویدک دہرم پر قائم نہیں رہ سکتا۔ اور چونکہ آریہ صاحبان انہی باتوں کی وجہ سے ہندوؤں کی بہت

بڑی تعداد مسلمان اور عیسائی ہو چکی۔ اور روز بروز ہوتی جا رہی ہے۔

آریوں کو اختیار ہے۔ کہ اپنی حفاظت کے لئے جو طریق چاہیں۔ اختیار کریں لیکن انہیں یہ حق نہیں ہے۔ کہ ایسی باتوں کو جو پرانے دہرم کے بالکل خلاف ہوں۔ ویدک دہرم قرار دیں۔ کیا ویدک دہرم کی اس قدر باتوں کے خلاف چلکر بھی وہ اپنے آپکو اس دہرم کے پابند کہہ سکتے ہیں۔

انجیل انسانی کتاب ہے یا الہامی

عیسائی صاحبان نے جب دیکھا۔ کہ باوجود انجیل کی سالہا سال سے اصلاح کرنے اور اسکی عبارتوں کو کچھ کا کچھ بنا دینے کے وہ اس قابل نہیں ہو سکی۔ کہ الہامی کتب کا درجہ حاصل کر سکے۔ تو انہوں نے صاف طور پر تسلیم کر لیا ہے۔ کہ انجیل انسانی نقائص اور کمزوریوں سے خالی نہیں ہے۔ چنانچہ عیسائی اخبار نور افشاں لکھتا ہے:۔

"انجیل الٰہی کتاب ہونے کے ساتھ انسانی کتاب بھی ہے جسے بعض انسانوں نے لکھا۔ انسانی علم و معلومات کے ساتھ لکھا۔ انسانی تجربہ کے موافق لکھا۔ انسانوں کی تعلیم و تربیت کیلئے لکھا۔ پس لکھنے والے انسانوں کی جسمانی۔ ذہنی علمی۔ اخلاقی۔ روحانی کمزوریوں کا ان کی تحریر میں نمایاں ہونا لازمی تھا۔"

جب انجیل میں انسانوں کا اس قدر دخل و تصرف ہوا تو پھر اسے "الہامی کتاب" کیونکر کہا جا سکتا ہے۔ لیکن یہی مسادی ایک لکھنے والے لوگ جب ایک ایسی کتاب کو جیسے انسانوں نے لکھا۔ اور جس میں انسانوں کی علمی۔ اخلاقی۔ روحانی کمزوریاں نمایاں ہیں الٰہی کتاب کہیں۔ تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

اٹلی کے افغانستان سے مطالبات

حکومت اٹلی نے افغانستان کے سامنے اپنی رعایا کے ایک فرد کے قتل پر جو مطالبات پیش کئے ہیں۔ وہ گذشتہ پرچہ میں درج ہو چکے ہیں۔ اس معاملہ کا سب سے خطرناک پہلو یہ ہے۔ کہ حکومت کابل نے اپنے قانون کے مطابق اس شخص سے خونبہا (دیت) لے لینے کے بعد پھر اسے قتل کر دیا۔ ایک حکومت کی معمولی سی رقم کیلئے عہد شکنی ایسا جرم ہے جو ساری دنیا کی نظروں میں ذلیل کرنے کیلئے کافی ہے۔ لیکن اگر کابل اس جرم میں مبتلا نہ ہوتا تو احمدیوں کی حفاظت و نیز دیگر بیگناہ احمدیوں کو سنگسار کر نیکا جرم نہ بنتا۔

چودہویں صدی کے مولوی

"زمیندار" کو شکایت ہے۔ کہ "الفضل" نے بعنوان چودہویں صدی کے مولوی" جو کالم کھولا ہے۔ اس میں زمیندار کے "افکار و حوادث" کی طرح "ظرافت" نہیں ہوتی۔ مگر ہم نے دعویٰ ہی کب کیا ہے۔ کہ یہ کالم "سامان ظرافت" مہیا کرنے کیلئے ہے۔ اس قسم کا سامان ظرافت جو جھوٹ۔ اور غلط بیانی پر مشتمل ہو۔ اور جسے خود "زمیندار" "بدنگاہی اور رومانی عیاشی" قرار دے چکا ہو۔ اسی کو مبارک ہے۔ ہماری غرض اس کالم سے "سامان ظرافت" نہیں۔ بلکہ "سامان عبرت" مہیا کرنا ہے۔ چودہویں صدی کے مولویوں کی ایک ایک حرکت میں موجود ہے۔ "زمیندار" چشم عبرت وا کر کے ذرا حسب ذیل حالات ملاحظہ فرمائے۔

ندہیاند کا اخبار اصلاح (۳۰ مئی) راقم طراز ہے۔ کہ وہاں ایک "امام مسجد" کے چشم و چراغ نے ان نابالغ لڑکیوں سے جو ان کے گھر قرآن کریم پڑھنے آتی تھیں۔ ایک ۱۰ سالہ لڑکی پر دست درازی کی جو بیچاری اس دیو ہیکل کے چنگل سے اپنی عصمت نہ بچا سکی۔ اگرچہ امام صاحب کے فرزند ارجمند نے حسب معمول "بکار دیگر" "بخلوت کرد" مگر اسکا یہ راز میں رہنا ناممکن تھا۔ آخر ظاہر ہو گیا۔ اور ان امام صاحب کو عدالت نے مجرم قرار دیکر ۷ سال قید۔ ۳۰ ضرب بید اور دو سو پچاس روپیہ جرمانہ کی سزا دی۔

جن امام صاحب کے اتقا و پرہیزگاری نے اپنے لڑکے کو ایسا "شریف" بنا دیا۔ انکی اقتداء میں نمازیں پڑھنے والے تو روحانیت کے اعلیٰ مدارج پر پہنچ چکے ہوں گے۔

"زمیندار" (۲۰ جون) میں ایک ملاجی کے خلاف "شکایت" شائع ہوئی ہے جس میں لکھا ہے۔ بھاٹی دروازہ لاہور کے بالمقابل ایک نوجوان ہندو نے بیٹھک کرایہ پر لے رکھی ہے۔ اسکے پاس ملاجی آیا جایا کرتے تھے۔ جو غالباً پرانی کوتوالی کی مسجد میاں محمد غوث کے امام کے بھائی ہیں۔ چند نمازیوں اور بازار کے چند اشخاص نے اس ہندو نوجوان کے ساتھ انہیں مذاق کرتے ہوئے دیکھ لیا۔ اسکے بعد بازار میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ اور ملاجی کو ہدایت کی گئی۔ کہ وہ مسجد کے سامنے ایسی حرکتیں نہ کیا کریں۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ملاجی نے دو نوجوانوں کے خلاف اس نوجوان ہندو کو اٹھا کر ایک مکان میں لیجانے کی کوشش کرنیکی رپورٹ پولیس میں لکھوا دی۔

ایک ہندو کے پاس جو "نوجوان" ہے۔ ایک مولوی صاحب کے آنے جانے پر "چہ میگوئیاں" کرنیوالوں نے نہ معلوم کیا دیکھا۔ اور انہیں مذاق کے پردہ میں کیا کیا نظر آیا۔ کہ انہوں نے ملاجی کو "ایسی حرکتیں" کرنے سے روکا۔ ورنہ وہ باسانی خیال کر سکتے تھے۔ کہ ایک ملاجی کا ایک نوجوان ہندو کے پاس آنے جانے کا سوائے اسکے کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ کہ وہ اسے تبلیغ کرتے ہوں گے۔ مگر بات یہ ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبہ جمعہ

از حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ

(فرمودہ ۱۲ر جون ۱۹۲۵ء)

بچوں کے اخلاق کس طرح درست ہو سکتے ہیں

سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

گذشتہ خطبات میں نے پچھلے ایام میں درستی اخلاق کے متعلق متواتر کئی خطبے پڑھے ہیں۔ ان میں سے خصوصیت کے ساتھ دو خطبے ایسے تھے۔ جو بچوں کی اصلاح اور ان کے اخلاق کی درستی اور ان کی ترقی کے ساتھ تعلق رکھتے تھے۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا۔ ان کے اخلاق کی درستی اور اصلاح کا بہترین موقعہ بچپن کا زمانہ ہے۔ اسی واسطے میں نے اس امر کی طرف توجہ دلائی تھی۔ کہ اس قیمتی وقت سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ اور اس کو ضائع نہ ہونے دینا چاہیئے نیز یہ کہ اس زمانہ میں جتنا گہرا اثر انسان کی طبیعت کے اندر پیدا ہو سکتا ہے۔ بڑی عمر میں نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اس زمانہ میں بچوں کی اخلاقی درستی میں کوتاہی نہ کرنا چاہیئے۔ میرے ان خطبات کا بڑا یا چھوٹا جو بھی اثر ہوا۔ ایک کا تو میں پہلے ذکر کر چکا ہوں۔ دوسرے کا میں آج ذکر کرنا چاہتا ہوں:

خطرات میں سے بہتری کے سامان میں سمجھتا ہوں۔ کہ امت اسلامیہ کے لئے یہی مقدر ہے۔ کہ جب کبھی بھی اسکے لئے مصائب اور مشکلات اور خطرات پیدا ہوں تو خدا تعالےٰ انہی خطرات میں سے اس کے لئے بہتری کے سامان پیدا کر دے۔ حضرت مولانا روم صاحب کا شعر ہے۔

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ است
زیر آں گنج کرم بنہادہ است

جس کو ہمیشہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی پڑھ کر فرمایا کرتے تھے۔ اگر کوئی قوم یا جماعت واقعہ میں مسلمان بن جائے تو اس کے تمام مصائب اور تمام خطرات جن میں وہ گرفتار ہو۔ اس کے لئے موجب نجات اور ترقی ہو جاتے ہیں۔ اور اس پر کوئی مصیبت نہیں آتی۔ جس کا نتیجہ اس کے لئے سکھ نہیں ہوتا قرآن شریف ایک قوم کی یہ مثال پیش کرتا ہے۔ کہ اس نے دیکھا گھٹا ٹوپ بادل اٹھا ہے۔ انہوں نے سمجھا اب بارش ہوگی۔ اور انکی کھیتیاں سیراب ہو کر خوب سرسبز اور شاداب ہو جائیں گی لیکن جب وہ بادل آیا۔ تو ایسا برسا کہ بجائے سیرابی اور شادابی کے ان کے لئے تباہی اور بربادی کا موجب بنا۔ مومنین کی حالت بالکل اس کے برعکس ہوتی ہے۔ مومنین کے لئے جب ایسے سامان پیدا ہو جاتے ہیں۔ جن سے بظاہر ان کی تباہی اور بربادی نظر آتی ہے۔ تو خدا تعالےٰ انہی تباہی اور بربادی کے سامانوں میں سے ان کے لئے ترقی اور کامیابی کے سامان پیدا کر دیتا ہے۔

مومن کی شان درحقیقت مومن وہی ہوتا ہے کہ جس کا استقلال جس کا حوصلہ جس کی ہمت خطرات کے وقت قائم رہتی ہے۔ بلکہ جتنے مصائب اور خطرات زیادہ بڑھتے جاتے ہیں۔ اس کی ہمت اس کا حوصلہ اس کا استقلال بھی ساتھ ہی ساتھ بڑھتا جاتا ہے۔ اور اس کی ہمت پست نہیں ہوتی۔ جو شخص معمولی حالات اور خطرات میں بالکل خاموشی اور سکون کی حالت میں ہوتا ہے۔ وہ زیادہ خطرات کے وقت بھی مطمئن نظر آتا ہے۔ کیونکہ دوسرے معمولی حالات میں وہ بڑے خطرات سے ہمیشہ لرزاں و ترساں رہتا اور خوف کھاتا ہے۔ لیکن جس وقت اس پر حقیقتاً خوف اور مصائب آ جاتے ہیں۔ اس وقت اس کے دل میں فوراً یہ خیال آتا ہے۔ کہ ان سے ڈرنا۔ تو میرے ایمان کی کمزوری کی دلیل ہوگی۔ اس لئے وہ چوکس اور ہوشیار ہو جاتا ہے۔

طلباء کا اخلاص میں نے پچھلے خطبہ میں جو نصائح بیان کئے تھے۔ مجھے یہ سن کر نہایت خوشی ہوئی ہے۔ کہ ہمارے طلباء نے اپنے ایمان کا جوش اور اخلاص کا بہترین نمونہ دکھلایا ہے۔ میں نے نصیحت کی تھی۔ کہ بچوں کو جفاکشی اور مشقت اور ظاہری حالت کی درستی کی بھی عادت ڈالنا چاہیئے۔ جفاکشی کی باتوں سے تعلق رکھنے والی ایک بات سر کے اگلے حصہ کے بال کٹوانا تھی۔ میں نے بتلایا تھا۔ کہ بچوں کا ایک خاص طرز کے بال رکھنا اور ان کو بنانا سنوارنا زنانہ خصلت ہے۔ اور آج کل ایک طالب علم کو اس قسم کے بال جس قدر اچھے اور پیارے لگتے ہیں۔ وہ ہر ایک شخص خوب جانتا ہے۔ مگر میرے خطبہ کے سننے کے بعد لڑکوں نے جاتے ہی بغیر استادوں کے کہنے کے اپنے بال کٹوا دیئے۔ اور مجھے بتلانے والوں نے بتلایا ہے۔ کہ انہوں نے ایسے جوش ایمان اور اخلاص سے اور اپنے دل کی خوشی سے بال کٹوائے ہیں۔ کہ ہر ایک یہی چاہتا تھا کہ پہلے میں کٹواؤں۔ پھر کوئی دوسرا کٹوائے۔ جس طرح آنحضرت صلعم ایک رؤیا کی بنا پر جب عمرہ کرنے کے لئے تشریف لے گئے اور کفار مکہ کی مخالفت کی وجہ سے آپ عمرہ نہ کر سکے۔ تو صحابہ کو اس پر ابتلا آیا۔ حالانکہ رؤیاء میں اسی سال عمرہ کرنا نہیں بتایا گیا تھا۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے۔ اسی سال عمرہ ہونا چاہیئے لیکن جس وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بال منڈوا دیئے تو پھر صحابہ نے بڑی خوشی کے ساتھ بال منڈوانے شروع کر دیئے یہاں تک کہ کشمکش شروع ہوگئی۔ اور ہر ایک یہی چاہتا تھا۔ کہ مجھ سے پہلے دوسرا نہ منڈوا سکے۔ ہمارے طالب علموں نے بھی وہی صحابہ والا جوش اور اخلاص دکھلایا ہے۔ اور میں امید کرتا ہوں۔ کہ انہوں نے جو بال منڈوا کر یہ اقرار کیا ہے۔ کہ وہ بال نہ رکھا کریں گے۔ وہ آئندہ بھی نہایت اخلاص اور ایمانی جوش کے ساتھ اس ارادے پر پختہ اور اس کے پابند رہیں گے۔ ان کو اس بات کا بھی علم ہونا چاہیئے۔ کہ محض بال کٹوا دینا ہی کوئی بڑی خوبی کی بات نہیں۔ کیونکہ جس بات کو انسان پھر اختیار کر سکتا ہے۔ اس کے لئے وقتی طور پر دل کو تسلی بھی دے لیتا ہے۔ اس لئے جب تک بال کٹوانے کے ساتھ وہ ہمیشہ بال کٹوا کے رکھنے کا پختہ ارادہ اور نیت نہ کریں۔ کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ ہو سکتا ہے دیکھا دیکھی انہوں نے اس وقت بال کٹوا دیئے ہوں۔ لیکن جب بال پھر بڑھ جائیں۔ تو کہدیا جائے۔ اب نہیں کٹواتے۔ تو دیکھا دیکھی وقتی جوش کے ماتحت بال کٹوانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ جب تک ہمیشہ کٹوانے کی عادت نہ بنالی جائے:

قومی خصوصیات ہر ایک قوم کی ایک قومی عادت ہوتی ہے۔ جو اس قوم کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہے۔ اور اس کو قائم تبھی رکھا جا سکتا ہے۔ کہ تمام قوم اپنی ظاہری حالت کو اس کے مطابق بنائے رکھے۔ مثلاً سکھوں میں بال رکھنا ایک قومی عادت اور قومی نشان ہے۔ ہر ایک سکھ برابر بال رکھتا ہے۔ میرے خیال میں گرمیوں میں سر پر بال رکھنا اتنا بڑا مجاہدہ ہے۔ کہ ہر شخص برداشت نہیں کر سکتا۔ عورتیں بھی بال رکھتی ہیں۔ مگر ان کا بال رکھنا نسلاً بعد نسل چلا آیا ہے۔ اور اب ان میں یہ خصلت پیدا ہو گئی ہے۔ اس لئے ان کو تکلیف کا کچھ احساس ہی نہیں ہوتا۔ لیکن سکھ قوم کی یہ حالت ہے۔ کہ اس نے یکلخت بال بڑھانے شروع کر دیئے۔ اور اب صدیوں سے برابر وہ بال نہیں منڈواتے اسیطرح کڑا پہننا بھی انکی قومی عادت ہے۔ اور ڈاڑھی رکھنا بھی سارے سکھ ڈاڑھی رکھتے ہیں۔ اس قوم کا جس کے پاس کوئی شریعت نہیں۔ ان عادات کو اپنی قومی عادات بنا لینا ان کی قومیت کو قائم رکھنے کا موجب بن گیا۔ اس کی وجہ یہی ہے۔ کہ بعض ظاہری شعار انہوں نے اپنی قومیت کے قائم رکھنے کے لئے مقرر کر لئے۔ اور ان کی وہ قومی طور پر پابندی کرتے ہیں۔ جس سے ان کے اندر یہ خیال پیدا ہو گیا ہے۔ کہ وہ اپنی قومیت کی خاطر اپنے مذہب کی ایسی ترجیح کرتے ہیں۔ کہ ہر ایک قربانی کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ تو ظاہری شکل اور شعار کوئی بے فائدہ چیز نہیں۔ بلکہ ان کا بہت گہرا اثر ہوتا ہے

خصوصاً جب کہ وہ قومی عادت کا رنگ اختیار کر لیں ؛

پس اگر ہمارے نوجوان ہمت اور جرأت کے ساتھ اسلامی شعار کی پابندی اختیار کر کے ان کی پوری پوری حفاظت کریں۔ تو تھوڑے ہی عرصہ میں ہمارے اندر ایک خاص قومی سپرٹ پیدا ہو سکتی ہے ؛

پس جہاں مجھے اس بات سے خوشی ہوئی ہے۔ کہ ہمارے طلباء نے صحابہ کی طرح ایمانی جوش اور اخلاص سے اپنے بال کٹوائے ہیں۔ اسی طرح مجھے امید ہے۔ کہ وہ اس جوش اور اخلاص کو قائم رکھ کر اسلامی شعار کی پوری پوری عزت کرینگے۔ سارے سر کے بال رکھنا بھی اسلامی شعار میں سے ہے۔ پس خواہ تمام سر کے بال کٹوا دیے جائیں یا تمام بال رکھے جائیں۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود نے بھی سر کے بال رکھے ہوئے تھے۔ بہرحال ایسا ہونا چاہیئے۔ کہ ان کی صورت کو دیکھ کر ہر ایک کو یہ معلوم ہو جائے۔ کہ یہ احمدی ہیں۔ اور اسلامی شعار کے پابند ہیں ؛

نماز باجماعت کی عادت

اسی طرح نماز باجماعت کی بھی بچوں کو پختہ عادت ڈالنا چاہیئے۔ اور کوئی نماز باجماعت رہ جانے سے ایسا احساس ہونا چاہیئے۔ کہ گویا کوئی قیمتی چیز ان کے ہاتھ سے ضائع ہو گئی ہے۔ اگر ان کے اندر نماز باجماعت رہ جانے سے افسوس اور ندامت پیدا نہ ہو۔ تو پھر یہ عادت نہیں کہلائے گی۔ یا اس کو ہم پابندی نہیں کہہ سکتے۔ میں دو قسم کے لفظ بول رہا ہوں۔ ایک عادت ہوتی ہے۔ اور ایک پابندی۔ جو دو قسم کے ایمانوں کے ماتحت ہوتی ہے۔ عادت تو یہ ہے۔ کہ انسان کو شوق نہیں ہوتا لیکن وہ اس کی عادت ڈالتا ہے۔ اور ایک یہ کہ اس کو شوق ہوتا ہے۔ اور شوق سے اس کی پابندی کرتا ہے۔ پس خواہ کسی کو پوری عادت ہو جائے یا پوری پابندی اختیار کرے۔ دونوں صورتوں میں نماز باجماعت کے رہ جانے سے افسوس کریگا اور غم کھائے گا۔ خواہ بیماری کی وجہ سے ہی کیوں نہ رہ جائے اور میں اپنے ان طالب علموں سے صرف یہی امید نہیں رکھتا۔ کہ وہ خود نماز باجماعت کی پکی عادت یا پابندی اختیار کرینگے بلکہ میں یہ بھی امید رکھتا ہوں۔ کہ وہ اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی جو ان کے زیر اثر ہیں۔ نماز باجماعت کا عادی بنائینگے بلکہ اپنے حلقہ اثر کو اور بھی زیادہ وسیع کرینگے۔ تاکہ کوئی ان کے مقابلہ کی جرأت ہی نہ کر سکے۔ اور ان کے ملنے والے ان کا نمونہ اختیار کرنے کے لئے مجبور ہو جائیں۔ اور وہ سمجھ لیں۔ کہ ان سے ملے رہنے کی ایک ہی صورت ہو سکتی ہے۔ کہ وہ ان جیسے بنیں۔ اس طریق سے مل کر بیٹھنے والے۔ تعلقات رکھنے والے لازماً شعار اسلام کی پابندی کے لئے مجبور ہونگے۔ ان کی مجبوری ایسی نہیں ہوگی۔ جو سختی اور تشدد کا نتیجہ ہو۔ بلکہ انسان میں یہ فطرتی بات ہے۔ کہ جو کچھ وہ دوسروں کو کرتے دیکھتا ہے۔ اس کے دل میں بھی اس کا احساس ہوتا ہے آج سے پہلے سکول کی یہ حالت تھی۔ کہ تمام طالب علم نمازوں کے بہت پابند ہوتے تھے۔ اور جو کمزور ہوتے تھے۔ وہ بھی دوسروں کی دیکھا دیکھی نماز باجماعت کے پابند ہو جاتے تھے۔ اگر پھر بھی کوئی رہ جاتے تھے۔ تو سکول میں چاروں طرف سے انکی اس حرکت پر اس قدر ملامت شروع ہو جاتی کہ شاذ و نادر ہی کوئی ایسا ڈھیٹھ ہوتا ہوگا۔ جو اپنی عادت کو نہ چھوڑے۔ مگر یہ اثر تبھی ہو سکتا ہے۔ کہ ہر ایک طالب علم احمدیوں کا سا شعار اختیار کرے۔ اگر ہر ایک احمدیت کے شعار کو اختیار نہیں کرتا۔ تو چند ایک کا ایسا کرنا احمدیت کا معیار نہیں ٹھیر سکتا۔ اور نہ اس کا دوسروں پر کچھ اثر ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے۔

طلباء بڑوں کے لئے نمونہ بن سکتے ہیں

اگر تمام طالب علم نماز باجماعت کی پکی عادت ڈال لیں۔ اور پورے پابند ہو جائیں۔ تو کمزوروں کے اندر خود بخود اس کا احساس پیدا ہو جائے گا۔ پہلے ان کی اپنی اصلاح ہوگی۔ اور پھر اس کا اثر ان کے ملنے والے لڑکوں پر ہوگا۔ اور اس طرح ان کا حلقہ اثر سکول کے لڑکوں سے باہر تک وسعت پکڑ جائیگا بلکہ اگر طالب علم ہمت اور جرأت سے کام لیں۔ تو وہ بڑوں کے لئے بھی نمونہ بن سکتے ہیں۔ اور لوگ عام طور پر ان کی اتباع کرینگے۔ اس بات کے بیان کرنے کے بعد کہ سب سے پہلے ہمارے طلباء دوسروں کے لئے نمونہ بنیں تاکہ بڑوں میں سے بھی جو نماز باجماعت کے ادا کرنے میں سست ہیں۔ ان کے نمونہ سے شرمائیں۔ اور ان کے اندر بھی پابندی کا احساس پیدا ہو ؛

دو اور باتیں

اس وقت میں دو اور باتیں بھی بیان کرنا چاہتا ہوں۔ اور وہ بھی اخلاق کی درستی کے لئے ہی ہیں۔ دنیا میں اخلاق کی درستی دو طرح سے ہوتی ہے۔ ایک تو ایمان کے ذریعہ سے۔ کہ جس وقت اس سے کوئی بد اخلاقی سرزد ہوتی ہے۔ ایمان کی وجہ سے وہ فوراً چوکس اور ہوشیار ہو جاتا ہے۔ گویا سو رہا تھا۔ پھر یکلخت جاگ اٹھتا ہے۔ اور ایک اخلاق کی درستی عادت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اور عادت بھی دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک عادت وہ ہوتی ہے۔ جو اپنی ذات میں اچھی ہوتی ہے۔ اور ایک عادت وہ ہوتی ہے جو اپنی ذات میں بری ہوتی ہے اور پھر جو عادت اپنی ذات میں اچھی ہوتی ہے۔ اس سے اور اچھی عادتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اور جو اپنی ذات میں بری ہوتی ہے اس سے اور بری عادتیں پیدا ہوتی ہیں۔ پس وہ اچھی اور نیک عادت کہ جس سے اور بھی اچھی اور نیک عادتیں پیدا ہوتی ہیں۔ انسان طبعاً اس کی ترجیح اور عزت کرتا ہے۔ جب وہ اپنے آپ کو اس نیک عادت کی طرف منسوب سمجھتا ہے۔ تو اسکی غیرت اس کے خلاف کرتے ہوئے اس کو ملامت کرتی ہے۔ اور وہ مجبور ہوتا ہے۔ کہ اپنا سائن بورڈ درست رکھے ؛

سائن بورڈ درست رکھنا

ایک شخص جس نے سائن بورڈ تو یہ لگایا ہوا ہو۔ کہ اس دوکان پر بوٹ فروخت ہوتے ہیں۔ لیکن اندر اس نے چاول ڈال رکھے ہوں۔ تو جب کوئی بوٹوں کا گاہک آئے گا۔ دوکان میں چاول دیکھ کر اسے ملامت کرے گا۔ اور وہ کچھ جواب نہ دے سکے گا۔ کیونکہ بوٹوں اور چاولوں میں اتنا بڑا فرق ہے۔ کہ اس کے لئے بحث کرنے اور توجیہیں بیان کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ لہذا اس کو خاموشی کے بغیر کوئی چارہ نہ ہوگا۔ ہاں اگر چاولوں کا اس نے بورڈ لگایا ہوا ہوتا۔ تو موٹے یا باریک چاولوں کی بحث بھی ہو سکتی تھی۔ تو بعض باتیں اتنی موٹی اور ایسی واضح اور کھلی ہوتی ہیں۔ کہ جن کے متعلق بحث کا کوئی موقعہ ہی نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر شریعت میں نماز باجماعت ادا کرنے کا حکم نہ ہوتا۔ تو ایک بے نماز کو یہ بحث کرنے کا موقعہ مل سکتا تھا۔ کہ میں تو گھر پر نماز پڑھ لیتا ہوں۔ لیکن جس صورت میں نماز باجماعت ادا کرنے کا حکم ہے۔ اور وہ مسجد میں نماز باجماعت ادا کرنے کے لئے نہیں آتا۔ وہ یہ عذر نہیں کر سکتا۔ کہ میں گھر پر پڑھ لیتا ہوں۔ پس ایسے احکام جو کھلے اور نمایاں ہوں۔ ہر ایک کی جن پر نظر پڑتی ہو۔ ان کی پابندی سے انسان کے اندر ایک قومی غیرت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس کی وجہ سے وہ اخلاق سے اتنا دور نہیں جا پڑتا۔ کہ قوم میں مطعون ہو جائے۔

ڈاڑھی رکھنا

ان دو باتوں میں سے ایک ڈاڑھی رکھنا ہے مجھے ہمیشہ حیرت ہوا کرتی ہے۔ کہ لوگ ڈاڑھی کیوں منڈواتے ہیں۔ میں بھی ڈاڑھی رکھتا ہوں۔ ڈاڑھی منڈھانے کی کوئی وجہ مجھے نظر نہیں آتی۔ میں نے کبھی ایسا نہیں دیکھا۔ کہ کوئی شخص سر جھکائے چلا آتا ہو۔ اور دریافت کرنے پر اس نے یہ کہا ہو۔ کہ ڈاڑھی کے بوجھ سے میرا سر جھکا جاتا ہے۔ یا کسی شخص کو میں نے نہیں دیکھا۔ کہ وہ بیتاب ہو رہا ہو۔ اور گھبرایا ہوا جا رہا ہو۔ اور دریافت کرنے پر اس نے یہ بتلایا ہو۔ کہ سخت گرمی لگ رہی ہے۔ ڈاڑھی منڈوانے جا رہا ہوں۔ اسی طرح میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ کہ کسی ضرورت [illegible] بنا پر لوگ ڈاڑھی منڈھاتے ہوں۔ دوسروں کی دیکھا [illegible] ڈاڑھی منڈواتے ہیں۔ محض اس وجہ سے کہ دوسرے

لئے پر ہنستے ہیں۔ یا یہ کہ دوسرے بھی سب کے سب نہیں رکھتے۔ جب ڈاڑھی منڈانے کی کوئی وجہ نہیں۔ تو پھر ضرور منڈا کیا ہے کہ ڈاڑھی منڈوائی جائے۔ ڈاڑھی اسلام کے شعاروں میں سے ایک شعار ہے۔ اب ایک غیر جو دیکھے گا کہ ایک شخص مسلمان کہلاتا ہے۔ اور پھر ڈاڑھی منڈواتا ہے۔ تو وہ یہی کہے گا۔ کہ یہ کہلاتا تو مسلمان ہے۔ لیکن اسلامی شعار کی اس کے دل میں کچھ حرمت اور وقعت نہیں۔ اس لئے وہ ڈاڑھی منڈوا کر اسلام کی ہتک کرتا ہے۔ جب ڈاڑھی کا کوئی بوجھ نہیں۔ نہ یہ کہ اس کی وجہ سے سخت گرمی محسوس ہوتی ہے۔ اور ادھر ڈاڑھی رکھنا اسلام کے شعار میں سے ہے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس کا مطالبہ کیا ہے۔ اور یہ حکم ہے بھی ایسا جس کی تعمیل کو ہر کوئی دیکھ سکتا ہے۔ سر کے اگلے حصہ پر رکھے ہوئے بڑے بال تو ٹوپی یا پگڑی کے نیچے انسان چھپا بھی سکتا ہے۔ لیکن ٹھوڑی تو چھپائی نہیں جا سکتی۔ پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانبرداری اور اسلامی شعار کی حرمت کے لئے اگر ڈاڑھی رکھ دی جائے۔ تو کونسی بڑی بات ہے۔ ایک شخص نے مجھ سے سوال کیا۔ کہ کیا ڈاڑھی رکھنا اسلام کے اصول میں سے ہے۔ دیکھئے سوال کرنے والے بھی کیا کیا راہیں نکالتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ تھا۔ کہ میں کہدوں گا نہیں۔ تو پھر وہ یہ کہدے گا۔ کہ جب ڈاڑھی رکھنا اسلام کے اصول میں سے نہیں۔ تو چاہے کوئی رکھے اور چاہے نہ رکھے۔ ایک ہی بات ہے۔ مگر میں نے اسے یہ جواب دیا۔ کہ ڈاڑھی رکھنا تو اسلام کے اصول میں سے نہیں۔ لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانبرداری کرنا اسلام کے اصول میں سے ہے۔ چونکہ آپ نے حکم فرمایا ہے۔ کہ ڈاڑھی رکھو۔ اس لئے رکھنا ضروری ہے۔

بعض سوالات کی نوعیت

یہ ایسا ہی سوال ہے۔ جیسے مثلاً کوئی پوچھے۔ کیا لکڑیاں اٹھانا اسلامی اصول میں داخل ہے۔ اور جب اسے کہا جائے کہ نہیں۔ تو اس سے وہ یہ نتیجہ نکالے کہ جب اس کے باپ نے اسے لکڑیاں اٹھا کر لانے کے لئے کہا۔ اور اس کے انکار کر دینے پر مارا۔ تو یہ بڑا ظلم کیا۔ بے شک لکڑیاں اٹھانا اصول اسلام میں داخل نہیں۔ لیکن جب کوئی یہ سنے گا۔ کہ باپ نے اسے لکڑیاں اٹھانے کے لئے کہا۔ اور اس نے انکار کر دیا۔ تو کوئی بھی اس کو مظلوم قرار نہیں دے گا۔ بلکہ ہر ایک اس کو ملامت کرے گا۔ کیونکہ اسلام نے ماں باپ کی فرمانبرداری اور اطاعت کا حکم دیا ہے۔ یا مثلاً کوئی سوال کرے۔ کیا مجلس میں آگے ہو کر بیٹھنا کوئی اسلامی اصول کی بات ہے۔ تو ہر ایک یہی جواب دیگا کہ نہیں بلکہ پیچھے بیٹھنے کو انکساری بتائیں گے۔ لیکن اگر کسی کو یہ پتہ لگے۔ کہ نبی یا خلیفہ نے اسے آگے بیٹھنے کے لئے کہا تھا۔ اور اس نے انکار کر دیا۔ تو پھر اس کے پیچھے بیٹھنے کو کوئی انکساری نہیں کہے گا۔ کیونکہ اس نے باوجود آقا کے حکم کے صدر میں بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ اسی طرح ایک سپاہی اگر کسی ڈاکٹر سے پوچھے گا۔ کہ کیا رات کو جاگتے رہنا اچھی بات ہے۔ تو ڈاکٹر یہ نہیں کہے گا۔ کہ ہاں اچھی بات ہے۔ بلکہ وہ یہی کہے گا آرام کرنا چاہیئے۔ لیکن اگر اس سے وہ یہ نتیجہ نکالے۔ کہ رات کو پہرہ کے وقت سو جانے کی سزا میں جو اس کا کورٹ مارشل کیا گیا ہے۔ یہ اس پر ظلم ہوا ہے۔ کیونکہ ڈاکٹر کہتا ہے۔ کہ ساری رات جاگنا نہ چاہیئے۔ تو یہ درست نہیں ہوگا۔ اسوقت ڈاکٹر بھی اسے یہی کہے گا۔ کہ تجھے جاگنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ فوجی افسر کا تیرے لئے یہ حکم تھا۔ کہ تو جاگے اور پہرہ دے۔

امریکہ کا ایک واقعہ

اسی قسم کا امریکہ کا ایک واقعہ ہے ایک شخص کو جو ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ نہایت خطرہ کے وقت پہرے پر مقرر کیا گیا جس دوسرے سپاہی نے اس کا پہرہ بدلوانا تھا۔ وہ نہ آیا۔ اور زیادہ دیر ہوگئی۔ وہ چونکہ پہرہ دیتا تھک گیا تھا۔ اس لئے اس نے جب ایک جگہ ٹیک لگائی تو سو گیا۔ اسی حالت میں افسر آگیا۔ اسے گرفتار کر کے اس پر مقدمہ چلایا گیا۔ ججوں نے اس بات کو تسلیم کیا۔ کہ یہ سپاہی تھکا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کی آنکھ لگ گئی۔ اور پہرہ بدلوانے والے نے غلطی کی مگر ایسی حالت میں اگر دشمن آجاتا۔ اور اس کو غافل پاتا تو ہزاروں جانیں ضائع ہو جاتیں۔ اس لئے باوجود اس کے کہ وہ اپنی ماں کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اسے گولی سے مار ڈالا گیا۔ اب اس واقعہ کو اگر کوئی پیش نہ کرے۔ اور کہے اس پر بڑا ظلم ہوا۔ سونا بھی کوئی جرم ہے۔ خصوصاً جب کہ کوئی شخص سخت تھکا ہوا ہو تو یہ اس کی غلطی ہوگی۔ ہمیشہ سوال کی نوعیت کو دیکھنا چاہیئے بعض سوال اخلاقی ہوتے ہیں۔ جن کی نوعیت کو دیکھنا ضروری ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کے ساتھ حالات اور واقعات بدلتے رہتے ہیں۔ اور بعض سوال مادی ہوتے ہیں۔ جن کی نوعیت کو نہیں دیکھا جاتا۔ بلکہ ان کی صحت دیکھی جاتی ہے۔ جتنے اخلاقی امور ہیں۔ ان کو انسان چھپا سکتا ہے۔ اور ان کے حالات بدلتے رہتے ہیں۔ لیکن بعض مادی اور ظاہری احکام ہوتے ہیں۔ ان کو چھپانے کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ مثلاً سر کے بال ہیں۔ کہ ہر ایک کی نظر ان پر پڑ سکتی ہے۔ بلکہ سر کے بالوں کو تو ٹوپی وغیرہ کے نیچے چھپایا بھی جا سکتا ہے۔ لیکن ٹھوڑی منڈی ہوئی کو تو کوئی نہیں چھپا سکتا۔ مجھے افسوس ہے کہ بعض بڑے آدمی بھی ڈاڑھی منڈاتے ہیں۔ بڑے آدمی سے میری مراد بڑی عمر کے آدمی ہیں۔ اگر انہیں کوئی منع کرے۔ تو کہدیتے ہیں۔ کیا ڈاڑھی رکھنا اسلام کے اصول میں سے ہے۔ حالانکہ اگر وہ گھر میں بیوی سے کہیں۔ کہ چاول پکانا یا فلاں قسم کا لباس پہننا اور پھر وہ نہ پہنے یا نہ پکائے۔ اور کہدے کہ یہ کوئی اسلام کے اصول میں سے ہے۔ تو اس جواب کو وہ کبھی پسند نہ کریں گے۔ میں پوچھتا ہوں۔ جس صورت میں ان کی بیوی جیسا یہ جواب ان کو دے۔ اسے وہ سننا پسند نہیں کرتے۔ تو جب اپنے اوپر بات آتی ہے۔ پھر وہ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔ کہ کیا یہ کوئی اسلام کے اصول کی بات ہے۔ پس میں ایک تو اپنے طالب علموں سے یہ چاہتا ہوں۔ کہ وہ ان ظاہری احکام اور شعائر اسلام کی پوری پوری پابندی کریں۔ جن کو ہر ایک شخص دیکھ سکتا اور اندازہ لگا سکتا ہے۔ کہ وہ شعائر اسلام کی حرمت کرتے ہیں یا ہتک۔

629

نقصان رساں چیز کی عادت سے بچو

دوسری بات جو اخلاق کی درستی کے لئے ضروری ہے۔ اور جس سے اسلام نے اصولاً منع کر دیا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ کسی نقصان رساں چیز کی عادت نہ ڈالنا چاہیئے۔ دیکھو شراب سے شریعت نے منع کر دیا ہے۔ کیونکہ اس کی ایسی عادت پڑ جاتی ہے۔ جو چھوٹ نہیں سکتی۔ اور انسان کئی قسم کے گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس قسم کی عادت انسان کی آزادی کو کھو دیتی ہے۔ اور دوسرے کا غلام بنا دیتی ہے۔ حقہ نوشی یا سگریٹ نوشی یہ دونوں باتیں بھی ایسی ہی ہیں۔ جن کی عادت سے بڑی بڑی بد اخلاقیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ایک دفعہ ایک احمدی یہاں آئے۔ انہیں ایسا واقعہ پیش آیا۔ جس سے متاثر ہو کر کہنے لگے۔ اب میں کبھی حقہ نہیں پیوں گا۔ اس کی وجہ سے آج مجھے بہت ذلت اٹھانی پڑی۔ ان ایام میں یہاں عام طور پر حقہ نہیں ملتا تھا۔ اب تو میں دیکھتا ہوں۔ بازاروں بلکہ گلیوں سے بھی ہمارے گھر تک حقہ کی بو آجاتی ہے۔ ان کو حقے کی عادت تھی۔ وہ تلاش کرتے کرتے مرزا امام دین کے حلقے میں چلے گئے۔ وہ ہمارے رشتہ دار تھے۔ حضرت مسیح موعود کے چچا زاد بھائی تھے۔ مگر سلسلہ کے سخت مخالف۔ حقے کی خاطر جب وہ احمدی وہاں جا بیٹھے۔ تو مرزا امام دین نے حضرت صاحب کو گالیاں دینی شروع کر دیں۔ اور لگے ہنسی اور تمسخر کرنے۔ وہ حقے کی خاطر سب کچھ بیٹھے سنتے رہے۔ وہ کہتے ہیں۔ اسی وقت میں نے دل میں ارادہ کر لیا۔ کہ اب حقہ نہ پیوں گا۔ اسی نے مجھے ذلیل کرایا ہے۔ ان کے اندر کچھ ایمان تھا۔ اس لئے وہ بچ گئے۔ ورنہ کئی شخص یہاں آئے اصلاح کے واسطے۔ مگر حقے کے لئے اس مجلس میں گئے اور خراب ہو گئے۔ حقے اور تمباکو کی عادت انسان کو نہایت پست ہمت اور دوسرے کا غلام بنا دیتی ہے۔ پٹھان کشمیریوں کو حقیر جانتے ہیں۔ گو ہندوستان میں ان کی ایسی حالت نہیں۔ جیسی کشمیر میں ہے۔ وہاں سے جو لوگ محنت مزدوری

کے لئے آتے ہیں۔ عموماً ان کو لوگ حقیر سمجھتے ہیں۔ میں نے دیکھا ایک پٹھان جس کی نسوار کی ڈبیہ کہیں گر گئی تھی۔ وہ نسوار کے لئے بے قرار ہو کر ایک کشمیری سے جو اس کے پاس سے گذرا بڑی لجاجت کے ساتھ کہنے لگا۔ بھائی کشمیری جی تمہارے پاس نسوار ہی تو عادت انسان کو غلام بنا دیتی ہے۔ اور اس کے حوصلہ کو پست کر دیتی ہے۔ میری تو خدا تعالےٰ نے ایسی طبیعت بنائی ہے۔ کہ کسی چیز کی مجھے عادت پڑتی ہی نہیں۔ جب میں بچہ تھا۔ اس وقت بیماری کی وجہ سے چھ ماہ تک مجھے افیون کھلائی گئی لیکن مجھے اس وقت بھی اس کی عادت نہ پڑی۔ والدہ صاحبہ کہتی ہیں۔ جس روز نہیں کھلائی جاتی تھی۔ اس روز بھی مجھے کوئی تکلیف نہ ہوتی تھی۔ میں چائے پیتا ہوں۔ گو مجھے عادت نہیں ہوتی تاہم میں چھوڑ بھی دیا کرتا ہوں۔ کہ ممکن ہے۔ کسی وقت کمزوری پیدا ہو جائے۔

تو سگرٹ پینے والے اور حقہ نوش جہاں کہیں لوگوں کو تمباکو پیتے دیکھتے ہیں۔ حقہ کی لالچ میں ان کے پاس جا بیٹھتے ہیں۔ وہ لوگ نیک ہوں یا بد حقہ کی حرص ان کو وہاں کھینچ لیجاتی ہے۔

ایک ہندو اور بوڑھے کا قصہ

ایک ہندو کا قصہ بیان کرتے ہیں۔ اسی حقہ نوشی کی عادت تھی۔ وہ کہیں جا رہا تھا۔ اسے حقہ کی خواہش ہوئی۔ ایک بوڑھے کا حقہ رکھا تھا۔ وہ لے کر پینے لگ گیا۔ حالانکہ بوڑھے کا حقہ پینا تو درکنار ہندو بوڑھے کو اپنے ساتھ بھی نہیں لگنے دیتے۔ جب اس نے بوڑھے کو آتے دیکھا۔ تو دل میں خیال کیا یہ اب مجھے جھلائے گا۔ اس لئے اسے آواز دے کر کہنے لگا۔ اس بات کا کسی سے ذکر نہ کرنا اور حقہ پی کر خوشی سے اٹھ کر چلا گیا تو ہر ایک قسم کی بد عادت سے بچے رہنا چاہیئے۔ تا انسان غلامی سے آزاد رہے۔

حقہ نوشی کے نقصانات

علاوہ اس کے کہ حقہ نوشی تمام بد اخلاقیوں کا منبع ہے۔ اور اس سے انسان پست ہمت اور دوسروں کا غلام بن جاتا ہے اس کی عادت سے بہت سے امراض بھی پیدا ہوتے ہیں۔ بعض اعضا کو نقصان پہنچاتا ہے۔ دمہ رعشہ اور بیسیوں بیماریاں اس سے پیدا ہوتی ہیں۔ پس دوسری نصیحت میری یہ ہے۔ کہ تمباکو پینے سے بچنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ علاوہ بہت سی بد اخلاقیوں کے صحت کی خرابی کا بھی موجب ہے۔ احمدیہ چوک اور ہمارے بازاروں میں حقہ نہیں ہونا چاہیئے۔ ہمارے کارکنوں کو بہت سختی کیساتھ اس امر کی نگرانی کرنی چاہیئے۔ مجھے افسوس ہے۔ کہ ہمارے بازاروں میں دوکانوں پر حقہ پیا جاتا ہے۔ حضرت صاحب کے زمانہ کا ایک واقعہ ہے۔ کہ ایک شخص کی نسبت آپ کو اطلاع دی گئی۔ کہ وہ ہر وقت مہمانخانہ میں بیٹھا حقہ پیتا رہتا ہے۔ آپ نے اس کو فوراً نکال دیا۔ کہاں یہ بات کہ حقہ پینے والے کو حضرت صاحب مہمانخانہ سے نکال دیں۔ اور کہاں یہ کہ اب ہمارے چوک اور بازاروں میں بھی حقہ پیا جاتا ہے۔ اگر کارکنوں سے غفلت ہوئی تھی۔ تو جماعت کے دوسرے دوستوں کا فرض تھا کہ وہ ان دوکانداروں سے جن کی دوکانوں پر حقہ پیا جاتا ہے یا سگریٹ فروخت کئے جاتے ہیں۔ سودا لینا بند کر دیتے اوّل تو کارکنوں کے اندر اس نقص کو دور کرنے کا احساس پیدا ہونا چاہیئے تھا۔ اگر ان میں نہیں ہوا تھا۔ تو دوسرے لوگوں کا فرض تھا۔ کہ وہ ان کو یاد دلاتے۔ عام لوگوں کو تو حقہ پینے سے جبراً نہیں روک سکتے۔ مگر چونکہ یہ صحت کو خراب کرتا ہے۔ اس لئے ہم اپنے طالب علموں پر جبر بھی کر سکتے ہیں۔ اس وقت تک بہت سے لوگوں نے میری نصیحت پر حقہ چھوڑ دیا ہے۔ اور ہر طبقہ کے لوگوں نے چھوڑا ہے چھوٹوں نے بھی اور بڑوں نے بھی امراء نے بھی اور غرباء نے بھی۔ امید ہے۔ کہ بقیہ لوگ بھی اس بد عادت کو چھوڑ دیں گے۔

دجال کی علامت

دجال کی ایک یہ علامت بتائی گئی ہے کہ اس کے آگے بھی دھواں ہوگا اور پیچھے بھی۔ سگریٹ پینے والا منہ سے دھواں نکالتا ہے پھر وہ دھواں پیچھے کو چلا جاتا ہے۔ یورپین لوگ جدھر جائیں گے۔ سگریٹ پیتے جائیں گے۔ یہ بھی دجالی عادت ہے۔ اور مسیح موعود دجالی عادتوں کو مٹانے آئے تھے۔ پس تم بھی دجالی عادات کو چھوڑ دو۔ یہ دونوں امور جو میں نے بیان کئے ہیں۔ نہ صرف یہ کہ بُری عادتیں ہیں۔ بلکہ دجال کی نشانیاں ہیں۔ اس لئے دجالی نشانیوں کو مٹاؤ۔ اور اپنی اصلاح کرو۔ اور دوسروں کی اصلاح کی کوشش کرو۔ تا دنیا کے لئے نمونہ بنو۔ اللہ تعالےٰ توفیق عطا کرے اور تمام بد اخلاقیوں کے موجب امور سے بچنے میں تمہاری مدد فرمائے۔ آمین

حاجیوں کے جہاز

شملہ ۱۸ جون۔ حکومت کی طرف سے ذیل کا اعلان شائع کیا گیا ہے۔ اس برطانی جہاز سے جو رابغ کی طرف تحقیقات کے لئے گیا تھا اطلاع ملی ہے۔ کہ ترکی حکومت کا جہاز "نامل" بندرگاہ رابغ کے دروازہ پر طلایہ گری کر رہا ہے اور لنگر ہے گا ہے ساحل پر گولہ باری بھی کرتا ہے۔ نامل جہاز کے کمانڈر کا بیان ہے۔ کہ اسے حاجیوں کے روکنے کا کوئی حکم موصول نہیں ہوا لیکن امید کیجاتی ہے۔ کہ ینبوع کی طرف سے ترکی فوجیں چار روز تک پہنچ جائینگی۔ اس عرصہ میں پیشقدمی نہیں کی جائے گی۔ اسکے برخلاف ترکی گورنمنٹ نے اعلان کیا

کاشی پور کی اراضی کے متعلق

ایک نہایت ضروری اعلان

ناظر اعلےٰ صاحب نے کاشی پور کی اراضیات کے متعلق بعض دوستوں کی شکایت پر مجھے بطور کمیشن تحقیقات کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ کہ میں غور کروں کہ آیا مدعیان کی شکایات ایسی تو نہیں۔ کہ ہم ان کو انگریزی عدالت میں جانے کی ہدایت کریں۔ اس لئے میں اس تصفیہ کے لئے اتوار ۵ رجولائی ۱۹۲۵ء کا دن مقرر کرتا ہوں۔ اور اعلان کرتا ہوں۔ کہ تمام وہ دوست جن کو کاشی پور کی اراضی کے سلسلہ میں کسی قسم کی چارہ جوئی کرنا ہو۔ وہ اپنی مفصل درخواست مع تمام کوائف کے لکھ کر میرے نام ارسال فرما دیں اور مع تمام ضروری یادداشتیں وغیرہ کے ۵ رجولائی ۱۹۲۵ء کو خود قادیان پہنچ جاویں یا اپنے مختار کو بھیجدیں۔ نہایت تاکید ہے۔ نیز مندرجہ ذیل اصحاب بھی اس تاریخ پر قادیان آجاویں:-

(۱) چوہدری کرم دین صاحب محلہ گل چمن گلی لدھیانہ (۲) سید احمد صاحب وکیل دروازہ شاہ آباد ریاست رام پور (۳) بابو محمد شفیع صاحب احمدی ایس ایم شفیع اینڈ کو لدھیانہ (۴) مولوی برکت علی صاحب لائق ٹیچر گورنمنٹ ہائی سکول لدھیانہ (۵) چوہدری غلام حسین صاحب ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس کرنال (۶) چوہدری غلام محمد صاحب معرفت تقسیم اراضیات کمیٹی مراد آباد (۷) سردار بہادر محمد ایوب خاں صاحب لفٹنٹ محلہ مغلپورہ مراد آباد

مندرجہ بالا اصحاب کے لئے لازم ہے۔ کہ وہ تاریخ مقررہ پر قادیان آجاویں۔ نہایت تاکید ہے۔ اور حساب و کتاب کے رجسٹرات اور تمام ضروری کاغذات اپنے

(منشی عبدالرحمٰن صاحب کشمیری قادیانی پرنٹر و پبلشر نے ضیاء الاسلام پریس قادیان میں چھپوا کر مالکان کے لئے قادیان سے شائع کیا)